© rasailojaraid.com

تحریر: محدثِ عصر علامہ محمد ناصر الدین البانی ... عبد القدوس بستوی
حدیث کالج مدینہ یونیورسٹی

الٰہی اسماء و صفات میں تاویل و تحریف کے

اسباب و علل ـــــ اثرات و نتائج

حقائق کی روشنی میں!

زیرِ نظر مضمون عقائد کے موضوع پر حافظ ذہبیؒ کی کتاب "العلو للعلی العظیم" پر علامہ ناصر الدین البانی کا زوردار علمی مقدمہ ہے، جس میں الٰہی اسماء و صفات کی تاویل و تحریف کی پوری تاریخ سمونے کے علاوہ مختلف مکاتبِ فکر کے افکار و خیالات کا علمی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، ساتھ ہی تاویل و تحریف کے اسباب و وجوہ اور امتِ اسلامیہ پر اس کے خطرناک اور دور رس سنگین نتائج تلاش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ سب سے اہم چیز یہ کہ مقدمہ نگار نے، جو عصرِ حاضر کے عظیم ترین محقق محدث ہونے کے ساتھ ایک زبردست داعی اسلام اور مفکر بھی ہیں جن کی علمی اور دعوتی چھاپ عربی کالجز اور یونیورسٹیز میں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے، عقائد کے باب میں دورِ حاضر کی بعض دینی تحریکوں اور نمایاں شخصیتوں کے تساہل آمیز برتاؤ پر حکیمانہ اسلوب میں گرفت کی ہے، جو فی نفسہٖ بڑی گراں مایہ چیز ہے، مواد کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر افادۂ عام کی غرض سے ہم اسے اردو زبان میں پیش کر رہے ہیں جس میں میرے خیال سے اگر ایک طرف توحید کے بادہ خواروں کے سرور و سرمستی کا سامان ہے تو دوسری جانب شرابِ توحید کی حقیقی لذت سے ناآشنا قلوب و اذہان کے لئے یہ شرابِ خالص پی کر سنبھلنے کا پیغام بھی۔ خدا کرے ہماری یہ حقیر کوشش مفید ثابت ہو۔ آمین!

ـــــــــــ عبد الواحد عبد القدوس

قارئین کرام! یقین کریں کہ زیرِ نظر کتاب میں عقائد سے متعلق ایک نہایت خطرناک اور سنگین مسئلہ کا حل پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا ہے۔ جس کے متعلق ... کا شکار ہیں۔ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے برتر ہونے کا مسئلہ ہے۔ جو قرآن اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ ساتھ ہی فطرتِ سلیم بھی اس کی حقیقت کے ثبوت پر شاہد ہے، اور اگر سنت سے برگشتہ بعض گروہ خود اپنوں اور غیروں پر تاویل و تحریف کا دروازہ نہ کھولتے تو اس قدر واضح اور ثابت شدہ حقیقت کا کوئی بھی کلمہ گو مسلمان منکر نہ ہوتا۔ یقیناً شیطان نے بذریعۂ تاویل اپنے ازلی دشمن بنی نوعِ انسان کو بری طرح سے دامِ فریب میں شکار کیا اور صراطِ مستقیم پر چلنے سے باز رکھا۔ کیوں نہیں جب کہ لوگ خود اس اصول پر متفق تھے کہ کسی بھی کلام میں اصل یہ ہے کہ اسے اس کی حقیقت پر محمول کیا جائے، کسی کلام کا مجازی معنیٰ مراد نہیں لے سکتے تاوقتیکہ اس کا حقیقی معنیٰ مراد لینا متعذر نہ ہو یا پھر جب تک کہ کوئی عقلی، عرفی یا لفظی قرینہ نہ موجود ہو جیسا کہ اس مسئلہ کی مفصل بحث دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ مگر اس کے باوجود لوگ لغو اسباب اور ایسی چیزوں کی وجہ سے جو حقیقی مومن کی عقل و خرد سے یکسر دور ہیں، اپنے اس خود ساختہ اور مسلم قاعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ کیا دنیا کا کوئی انسان اس طرح کے مفہوم کو باور کر سکتا ہے، مثلاً کوئی شخص کہے "جاء الامیر" سردار آیا تو کوئی تاویل کرنے والا اس چھوٹے سے جملے کی تشریح یوں کرے کہ اس کا مطلب ہے سردار کا غلام آیا، پھر اگر آپ اس مفہوم کی صحت سے اتفاق نہ کریں تو کہنے لگے کہ یہ اس جملہ کا مجازی مفہوم ہے مگر جب اعتراض کیا جائے کہ مجازی معنیٰ اس وقت مراد ہوتا ہے جب حقیقی معنیٰ مراد لینا متعذر ہو، لیکن یہاں تو حقیقی معنیٰ پر جملہ کا محمول کرنا متعذر کے بجائے ممکن ہے۔ یا اس وقت مجازی معنیٰ مراد ہوتا ہے جب کلام میں کوئی قرینہ پایا جائے حالانکہ اس جملہ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے تب آپ کی اس لمبی تقریر کے بعد خاموشی اختیار کرے یا ناحق جدال پر آمادہ ہو جائے۔

ممکن ہے کوئی شخص حیرت سے سوال کر بیٹھے کہ کیا کوئی صاحبِ عقل و خرد اس انداز کی بات کر سکتا ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ اسماء و صفاتِ خداوندی میں تاویل کرنے والے تمام فرقوں نے صرف یہی کیا ہے جو دراصل اللہ رب العالمین کے اسماء و صفات کے منکر ہیں، جیسے معتزلہ اور ان سے متاثر بعد کے فرقے، مثالیں دے کر ہم آپ کو دور لے جانا نہیں چاہتے بلکہ قرآنِ پاک سے صرف دو مثالوں پر اکتفا کریں گے۔ جن میں ایک مثال تو مندرجہ بالا مثال کی مانند ہے، اور دوسری کا تعلق زیرِ نظر کتاب کے اصل موضوع سے ہے:

مثال نمبر ۱: قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے، "وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا" ترجمہ: اور جب آپ کا پروردگار آئے گا اور فرشتے صف بستہ ہو کر۔ اسی طرح فرمانِ خداوندی "هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ" ترجمہ: انہیں بس اس کا انتظار ہے کہ اللہ ان کے پاس بادل کے سائے میں آئے اور فرشتے بھی، اور معاملہ کا فیصلہ ہو۔ اس کی تاویل بعض اہلِ کلام نے "يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ بِظُلَلٍ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کی یعنی اللہ ان کے پاس بادل کے سایہ کو لائے۔ اس طرح سے تاویل کرکے اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان صفتِ آمد کی حقیقت کی نفی کر دی گئی، بلکہ بعض ہوس پرستوں نے اس قدر غلو سے کام لیا کہ "ھل ینظرون" کو یہود سے متعلق حکایت قرار دے دیا یعنی یہ کہ ان ہوس پرستوں کے قول کے بموجب اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ یہود آپؐ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین نہیں قبول کریں گے جب تک کہ اللہ بادلوں کے زیرِ سایہ نہ اتر آئے تاکہ یہ یہود کھلے عام اللہ کو دیکھ لیں، پھر ہوس پرستوں نے اس کا سبب بتلایا کہ یہود مشتبہ تھے اور اللہ کے لئے آمد و رفت کو جائز سمجھتے تھے، محمد زاہد کوثری نے کتاب الاسماء والصفات للبیہقی پر اپنی تعلیق و شرح میں فخر الدین رازی کے حوالہ سے یہ قول نقل کرکے پھر ثابت قرار دیا ہے، تو غور کرنے کا مقام ہے... خدا سب کو ہدایت دے کس طرح کوثری وغیرہ نے اللہ کی آمد کا انکار کر دیا جبکہ دونوں مندرجہ بالا قرآنی آیات میں بصراحت مذکور ہے۔ خدا کی آمد در اصل بروزِ قیامت ہو گی جیسا کہ "هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ الخ" کی تفسیر میں ابنِ جریر نے لکھا ہے اور "أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ" کی تفسیر میں قتادہ اور ابن جریج سے "یوم القیامۃ" نقل کیا ہے یعنی قیامت کے دن خدا آئے گا، اسی طرح ہی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ سے الدر المنثور ج ا صفحہ ۲۴۱ میں مروی ہے، اللہ کا عرش سے نیچے آنے سے متعلق ابن راہویہ کا قول بھی ہے جو اس کتاب کے قول نمبر ۳۱۲ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

تاویل کی برکت کا یہ نتیجہ ہوا کہ تاویل کرنے والوں نے بروزِ قیامت میدانِ حشر میں اللہ کے آنے کا سراسر انکار کر دیا جو کہ متعدد آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہے، مزید برآں اس کے ثبوت میں بہت ساری صحیح احادیث بھی ہیں۔ اسی پر ان اہل کلام نے اکتفا نہ کیا بلکہ اللہ کے لئے آمد و رفت جائز ہونے کو یہود کی بات قرار دیا۔ اور اس آیت کو انہی سے متعلق نازل بتایا، یقیناً یہ سراسر ضلالت اور دروغ گوئی ہے گمراہی اس وجہ سے کہ یہ قرآنی آیات کی ایسی تحریف ہے جس سے ان پاکباز ائمہ اسلام پر طعن لازم آتا ہے جو بروزِ قیامت اللہ کی آمد پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جھوٹ اس وجہ سے کہ کسی عالم نے اب تک اس آیت کو یہود سے متعلق نہیں بتایا ہے۔ بلکہ آیت کا سیاق خود اس کی تردید کرتا ہے، ارشادِ ربانی ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ۔ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ" (البقرۃ ۲۰۸ — ۲۱۱) ترجمہ: اے مومنو اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے پھر تم اگر واضح دلائل آجانے کے بعد بھی بھٹک رہے ہو تو جان لو کہ اللہ غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔ کیا یہ لوگ صرف اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ ان لوگوں کے پاس بادلوں کے سایہ میں آئے اور فرشتے الخ۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ آیت میں خطابِ خداوندی کا رخ مومنین کی طرف ہے، اسی لئے علامہ ابن جریر طبری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(فَاِنْ زَلَلْتُمْ) کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: "اللہ تعالیٰ کی مراد اس سے یہ ہے کہ اگر تم نے حق کو غلط ٹھہرایا تو تم حق سے گمراہ شمار کئے جاؤ گے۔ اور میرے واضح دلائل آجانے کے بعد بھی اے مسلمانو، اگر تم نے اسلام اور اس کی تعلیمات کی مخالفت کی جب کہ تمہارے سامنے قطعی دلائل کے ذریعہ اسلام کا معاملہ واضح کر دیا گیا تو پھر سمجھ لو کہ اللہ بڑی طاقتوں کا حامل ہے (تفسیر ابن جریر طبری ج ۴ ص ۲۵۹)

البتہ ابن جریرؒ نے "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عکرمہؓ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ثعلبہ، عبداللہ بن سلام وغیرہ کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے اور یہ سب لوگ پہلے یہودی تھے، ان لوگوں نے دربارِ رسولؐ میں پہنچ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم پہلے سنیچر کے دن کی تکریم و تعظیم کرتے تھے لہٰذا آپ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ ہم سنیچر منایا کریں اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (ایضاً)

مگر باوجودیکہ یہ روایت ان لوگوں سے متعلق ہے جو یہودیت سے دست بردار ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے، لیکن پھر بھی اس کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ اور اگر صحیح مان بھی لی جائے تو یہ کہنا کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی صحیح نہیں کیونکہ عرفِ عام میں مطلق یہود کے استعمال سے کافر یہودی مراد ہوتے ہیں حالانکہ روایت مسلمان یہودیوں سے متعلق ہے، لہٰذا اس تلبیس و تدلیس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ پھر اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا ان قرآنی آیات میں جو بروز قیامت میدان حشر میں اللہ کی آمد کے سلسلے میں صریح ہیں کوئی ایسا قرینہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان آیات کا پڑھنے یا سننے والا ان آیات کو ان کے حقیقی معنیٰ پر محمول کرنے کے بجائے مجازی معنیٰ پر محمول کرے؟ جب ہم اس انداز سے غور کرتے ہیں تو قرآنی آیات ایسے قرائن سے یکسر خالی نظر آتی ہیں لیکن جب اہلِ کلام نے قرآنی آیات میں مذکور اللہ کی آمد کو مخلوق کی آمد کے مترادف سمجھا جو کہ یقیناً خدا کی مخلوق سے تشبیہ ہے، تو اس غلط فہمی کی وجہ سے انہیں مجبور ہونا پڑا کہ اس صفت ہی کا انکار کر دیں، اور اس صفت کے ثبوت کی بات یہودیوں کی جانب منسوب کر دیں۔ اور پھر ان آیات کی بے جا تاویلات کریں، حالانکہ یہ ممکن تھا کہ یہ حضرات اللہ کے لئے یہ صفت علماء سلف کی طرح تشبیہ کے بغیر ثابت مانتے جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے (لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ ترجمہ: (اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے، دیکھنے والا ہے) ورنہ اس بنیاد پر ان حضرات کو سمع و بصر کی بھی تاویل کرنی پڑے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو سمع و بصر کی صفات سے نوازا ہے۔ جیسا کہ قرآن وغیرہ میں بھی صراحت ہے۔ تو پھر یہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہم اللہ کے لئے سمع و بصر ثابت مانیں گے تو پھر اللہ کی مخلوق سے تشبیہ ہو جائے گی ۔۔۔ یہی کارنامہ معتزلہ حضرات نے انجام دیا ہے، بزعم خویش تشبیہ کے جرم سے بچاؤ کی خاطر انہوں نے خدا کے لئے قرآن و حدیث میں موجود صفت سمع و بصر کی تاویل علم سے کر ڈالی۔

اس طرح آیت کے ایک جزء (لیس کمثلہ شیء) پر تو ایمان لائے مگر فی الواقع دوسرے حصہ (وھو السمیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البصیر) کے انکارِ صریح کے مرتکب ہو گئے۔ رہے اشاعرہ وغیرہ تو یہ لوگ یہاں پوری آیت پر ایمان لائے اور تنزیہ و اثبات دونوں پہلو کو اپنے ہمراہ رکھا اور واضح طور پر کہا کہ اللہ کے پاس سمع و بصر کی صفت ہے مگر ہم مخلوقات کی سمع و بصر کی طرح نہیں، اور دراصل یہی حق بھی ہے۔ پھر ان اشاعرہ کو چاہیے تھا کہ اللہ نے اپنی ذات کو جن تمام اوصافِ حمیدہ سے متصف گردانا ہے ان تمام صفات میں اثبات و تنزیہ کا یہی موقف اختیار کرتے جو سمع و بصر کے سلسلے میں اپنایا ہے اور اللہ کی آمد اور عرش سے آسمانِ دنیا پر نزول وغیرہ کے متعلق بھی کہتے کہ اللہ کا بروز قیامت میدانِ حشر میں آنا برحق ہے، ہاں اللہ کا وہ آنا اس کی مخلوق کے آنے جانے کی مانند نہ ہوگا، اسی طرح اشاعرہ کو کہنا چاہیے کہ چونکہ متواتر احادیث سے اللہ کا آسمانِ دنیا پر نصف شب میں اترنا ثابت ہے اس لیے وہ حق ہے لیکن اللہ کا یہ نزول انسانوں یا حیوانوں کے نزول سے مختلف ہے۔ اسی طرح اور دیگر صفات میں بھی یہی موقف اختیار کرنا چاہیے، مگر افسوس کہ اشاعرہ حضرات نے بہت سی صفاتِ خداوندی میں یہ موقف نہیں اپنایا، انہی صفات کے ضمن میں اللہ کا استواء اور اتیان بھی داخل ہے جن کی اشاعرہ تاویل کرتے ہیں۔

مثال نمبر ۲۔ فرمانِ خداوندی:

"اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔"

ترجمہ: "بے شک تمہارا پالنہار وہ ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا۔"

نیز:۔ "اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔"

ترجمہ: "اللہ جس نے آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کر دیا اور پھر عرش پر مستوی ہوا" میں مذکور استواءِ خداوندی کی تاویل خلف نے استیلاء اور غلبہ سے کی ہے۔ اس تاویل کی صحت پر ان کے یہاں ایک شاعر کا مندرجہ ذیل شعر رائج ہے ؎

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ　　　بِغَیْرِ سَیْفٍ اَوْ دَمٍ مُهْرَاقِ

ترجمہ: بشر عراق پر تلوار سونتے اور خون بہائے بغیر غلبہ پا گیا۔

لیکن اس حقیقت سے غافل ہیں کہ تفسیر، حدیث اور لغت کے جلیل القدر ائمہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استدلال کے بطلان پر متفق ہیں۔ ساتھ ہی ان ائمہ کا اجماع ہے کہ عرش پر استواء سے مراد استعلاء اور اس پر ارتفاع ہے۔ جیسا کہ علامہ ذہبی کی اس کتاب میں ہر دور کے معتبر اور مستند ائمہ کے صحیح سند سے مروی اقوال ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں بلکہ بعض علماء جیسے امام اسحاق بن راہویہ اور حافظ ابن عبد البر نے استواء کے معنی استعلاء وارتفاع ہونے پر ائمہ وعلماء اسلام کا اجماع نقل کیا ہے جب کہ مندرجہ بالا دونوں امام اس مسئلہ میں حجت کے لیے کافی ہیں۔

مگر اس کے باوجود اکثر وبیشتر علماء خلف استواء وغیرہ صفات پر مشتمل آیات کی تفسیر میں سلف کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔ ممکن ہے بعض قارئین کرام اس مخالفت کا سبب دریافت کریں تو ہم جواباً عرض کرتے ہیں کہ اس کا سبب محض سلف کے مسلک کی اتباع سے روگردانی ہے اور دوسری وجہ قرآنی آیات یا احادیث میں مذکور استواء یا استعلاء کو مخلوق کے لیے مفہوم استواء یا استعلاء کے مترادف سمجھنا ہے جو کج فہمی کا نتیجہ ہے اور جب یہ مفہوم اللہ رب العالمین کی ذاتِ اقدس کے لیے بالاتفاق لازمی تنزیہ کے منافی تھا تو لامحالہ اس مفہوم سے فرار اختیار کر کے ان لوگوں نے سابقہ تاویل کا رُخ اختیار کیا۔ یہ سوچ کر کہ اس طرح شانِ خداوندی میں نازیبا بات کہنے سے بچ جائیں گے۔

اس دور میں تاویل کے قائلین میں اہلِ علم کا بھی ایک گروہ شامل تھا، جیسے امام ابوالحسن الاشعری، جن کا تذکرہ ان شاء اللہ علامہ ذہبی کی اس کتاب میں آئندہ آئے گا۔

صفات کے سلسلے میں امام جوینی کا موقف:

اسی طرح امام محمد جوینی شافعیؒ متوفی ۴۳۸ھ جو امام الحرمین کے والد تھے، مگر پھر اللہ نے انہیں استواء و دیگر صفاتِ خداوندی کے سلسلے میں اسلاف کے نقشِ قدم کی پیروی کی توفیق بخشی اور اس سلسلے میں ایک مفید رسالہ تیار کیا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے خیر خواہی کے جذبہ سے لوگوں کے درمیان اس کی اشاعت کی۔ امام موصوفؒ نے اس رسالہ میں اپنی علمی زندگی کے کسی دور میں پیش آنے والے ذہنی شکوک وشبہات اور حیرت و تردد کی بڑی دقیق توصیف کی ہے جبکہ اسلاف کے اتباع اور اپنے دور کے علماء کلام — جو کہ استواء کی تاویل استیلاء اور تسلط سے کرتے تھے — کے اتباع کے مابین سخت تردد اور حیرت کے شکار تھے۔ اپنے رسالہ کے صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷ میں رقمطراز ہیں:

"معلوم ہونا چاہیے کہ میں چند دنوں تک تین مسائل میں سخت پریشان تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ صفات ۲۔ خدا کا بلندی میں ہونا۔ ۳۔ قرآن سے متعلق حرف وصوت۔

معاصرین کی کتابوں میں ان مسائل کے سلسلے میں مختلف آراء واقوال دیکھ کر میں سخت پریشان تھا۔ اس لیے کہ بعض کتابوں میں صفاتِ خداوندی کی تاویل وتحریف کا نظریہ نظر آتا تو کسی میں توقف کی راہ اختیار کرنے کا مشورہ ہوتا اور کسی میں تاویل وتعطیل اور تشبیہ سے احتراز کرتے ہوئے صفات کے اثبات کا مسلک دکھائی پڑتا مگر میں قرآنِ کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے نصوص پاتا ہوں جو ان صفات نیز علو خداوندی کے اثبات اور قرآن کے حروف وصوت کے حقائق سے متعلق کھلی شہادت دیتے ہیں۔

پھر متاخرین اہلِ کلام کا مطالعہ کرتا ہوں تو دیکھنے میں آتا ہے کہ ان میں بہت سے لوگ استواء کی تاویل قہر واستیلاء۔ اور نزولِ خداوندی کی تاویل اس کے احکام کے نزول سے کرتے ہیں اور خدا کے دونوں ہاتھ کی تاویل قدرت ونعمت سے کرتے ہیں اور قدم کی تاویل "قَدَمُ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ" سے کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، مگر اس کے باوجود یہ اہلِ کلام کلام اللہ کی جب تعریف کرتے ہیں تو اسے ایسا معنیٰ بتلاتے ہیں جو آواز کے بغیر حروف سے قائم بالذات ہو اور پھر انہی حروف کو اس قائم معنیٰ کی تعبیری صورت بتلاتے ہیں۔ اس طرح کی تاویلانہ رائے رکھنے والوں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کا وقار میرے سینے میں موجود ہے جیسے شوافع اشعری فقہاء کی جماعت، اس لیے کہ میں مذہباً شافعی ہوں اور اپنے دین کے احکام وفرائض سے یک گونہ واقفیت رکھتا ہوں، تو جب میں ان جلیل القدر بزرگوں کو دیکھتا ہوں کہ اس طرح کی تاویلانہ رائے کے حامل ہیں، حالانکہ میرے دل میں ان بزرگوں کے علم وفضل کی وجہ سے ان کے سلسلے میں ایک طرح کا اچھا اعتقاد موجود ہے مگر پھر بھی میرا ضمیر ان تاویلات پر مطمئن نہیں ہوتا۔ بلکہ ان تاویلانہ خیالات میں پراگندگی اور ایک طرح کی تیرگی محسوس کرتا ہوں، چہ جائیکہ انشراحِ صدر نصیب ہو، تو میری مثال اس متحیر اور آشفتہ مزاج کی سی تھی جو اپنے دریائے حیرت کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہا ہو۔

حال یہ تھا کہ علو، استواء اور نزول کے ثبوت وواقفیت کی بات بھی کہتے ہوئے خوف محسوس کرتا تھا کہ کہیں ذاتِ خداوندی کے لیے حصر یا تشبیہ بالخلق نہ لازم آجائے لیکن پھر بھی جب اللہ کی کتاب اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن پاک کا مطالعہ کرتا تو یہی محسوس ہوتا کہ ان

---

[1] مومنوں کے لیے ان کے رب کے پاس بہترین اجر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں سرچشموں میں پائی جانے والی نصوص اپنے حقیقی معانی ہی کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور یہ بھی نظر آتا کہ خاتم الانبیاء والرسل نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ان معانی کی بصراحت خبر دی ہے اور اپنے رب کو ان معانی سے متصف کیا ہے اور یہ بات تو لازمًا معلوم ہی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں عالم، جاہل، ذہین و غبی سادہ لوح دیہاتی و سنگدل، ہر طرح کے لوگ شریک رہتے تھے، مگر ان حاضرین کی جانب سے کوئی ایسا استفہامیہ یا معترضانہ تعاقب نصًا یا ظاہرًا ذخیرۂ کتبِ احادیث و تاریخ میں نہیں ملتا جو ان نصوص پر کیا گیا ہو جن سے آپ اللہ کی توصیف کرتے تھے اور جس کی بنیاد پر ایسے نصوص کی ان کے حقیقی معنیٰ سے ہٹا کر تاویل کی گئی ہو، جیسا کہ ہمارے فقہاء متکلمین کا رویہ ہے۔

اسی طرح ایسی بھی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کی صفات جیسے فوقیت اور یدین وغیرہ کے سلسلے میں اپنے فرمودات وارشادات کے ظاہری مفہوم پر ایمان لانے سے کبھی منع فرمایا ہو۔ اور نہ اس معنیٰ کی کوئی روایت پائی جاتی ہے کہ ان صفاتِ الٰہیہ کے کچھ دوسرے پوشیدہ معانی بھی ہیں جو ان کے ظاہری مدلول کے منافی ہیں۔

اس طویل بحث کے بعد امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے استواء اور فوقیت کے سلسلے میں بعض قرآنی آیات اور احادیث رسول پیش کیا ہے، بعد ازاں صفحہ ۱۸۱ میں فرمایا ہے:

"جب مجھے اچھی طرح یہ بات معلوم ہو گئی تو تاویل و تعطیل اور تشبیہ و تمثیل کے شکوک و شبہات اور جہالت سے گلو خلاصی حاصل کرلی اور اپنے رب کی بلندی اور فوقیت نیز عرش پر اس کے استوار پر ایمان لے آیا۔ اس سلسلے میں حق اس طرح واضح ہے کہ سینہ اسے قبول کرنے کو پوری طرح آمادہ ہے اور عقلِ سلیم صفات کی تحریف کبھی گوارا نہیں کرتی، اور صفاتِ الٰہیہ کے سلسلے میں توقف کا موقف اختیار کرنا تو سراسر جہالت اور نادانی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان صفات سے متصف قرار دیا ہے تاکہ ہم ان کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کرسکیں، تو صفاتِ الٰہیہ کے اثبات و نفی کے مسئلہ میں توقف اختیار کرنا دراصل ان صفات کے حقیقی مقصد (یعنی انسان کا ان صفات کی معرفت حاصل کرنا) کا ضائع کرنا ہے۔ اللہ نے تو اپنی ذات کو ان اوصاف سے محض اس لیے متصف قرار دیا ہے تاکہ ہم بھی ان صفات کو ثابت مانیں اور راہِ توقف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کرنے سے بچیں۔ اسی طرح تشبیہ و تمثیل بھی مرقعۂ جہالت ہے اس لیے
جسے تحریف و توقف نیز کیفیتِ صفات سے تعرض کیے بغیر اثباتِ صفات
کی توفیق مل گئی وہ اللہ کے مطلوب طریقہ پر گامزن ہے۔"

پھر امام جوینیؒ نے صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲ میں ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن کے نتیجہ میں علمائے کلام نے استواء کی استعلاء اور غلبہ سے تاویل کی ہے۔ ان کے سلسلے میں میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں نے صفاتِ الٰہیہ کو صفاتِ مخلوق کے مترادف سمجھ لیا جس کی وجہ سے اللہ کی عظمت اور بڑائی کے شایانِ شان استواء کا تصور ان کے ذہن سے اوجھل ہو گیا۔ اس کج فہمی کی وجہ سے انہیں کلامِ خداوندی کی تحریف بھی کرنی پڑی اور اوصافِ حمیدہ سے الگ کر کے خدا کی تعطیل کے بھی مجرم بنے۔

بے شک ہم (اہلِ سنت) اور اہلِ کلام اشاعرہ اللہ کے لیے حیات، سمع و بصر، علم و قدرت اور ارادہ و کلام صفات کے قائل ہیں۔ حالانکہ صفتِ حیات کے تصور سے وہی عرض والا مفہوم ہمارے ذہن میں آتا ہے جو ہمارے جسم میں قائم ہے اسی طرح سمع و بصر کے مفہوم میں وہی اعراض ہمارے ذہن میں آتے ہیں جو ہمارے اعضاء پر قائم ہیں تو جس طرح متکلمین اشاعرہ ان صفات کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ اللہ کی صفاتِ حیات و سمع و بصر اعراض نہیں ہیں، بلکہ یہ سب صفات اللہ کی عظمت و جلال کے شایانِ شان صفات ہیں جو ہم مخلوقات کی صفات سے یکسر مختلف ہیں، ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کی حیات ایک معلوم حقیقت ہے مگر اس کی کیفیت کا علم ہمیں نہیں۔ اللہ کے علم کی ایک معلوم حقیقت ہے مگر اس علم کی کیفیات کا ادراک ہمارے بس کا نہیں۔ اسی طرح اللہ کے کان و آنکھ کی معلوم حقیقت ہے لیکن یہ سب وہ اعراض نہیں ہیں جو مخلوق میں پائے جاتے ہیں مگر ان کی کیفیات سے ہم نابلد ہیں۔ بعینہٖ یہی صورت اللہ کی فوقیت، استواء اور نزول کے مسئلہ میں بھی ہے یعنی اللہ کا فوق میں ہونا معلوم ہے۔ بالفاظِ دیگر فوقیت کی صفت ایسے ہی ثابت ہے جس طرح سمع و بصر کو آپ ثابت مانتے ہیں کہ دونوں کی حقیقت معلوم مگر کیفیت معلوم نہیں۔ اسی طرح اللہ کا فوق اور بلندی میں ہونا بھی معلوم اور اس کی شان کے مطابق ثابت ہے لیکن اس فوقیت کی کیفیت ہمارے علم میں نہیں۔ عرش پر اللہ کا مستوی ہونا معلوم ہے مگر اس کی کیفیت ہم نہیں بتلا سکتے کہ اس کا استواء محض حرکت یا نقل و انتقال کے ذریعہ ہوا ہے جو کہ دراصل مخلوق کے شایانِ شان ہے۔ اس لیے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کا استواء تو اسی کے جلال و عظمت کے مطابق ہے۔ یہی حال خدا کی تمام صفات کا ہے۔ یعنی ثبوت اور وجود کی حد تک تو معلوم ہیں مگر ان کی کیفیات وحدود غیر معلوم ہیں۔ تو صفات کے معاملہ میں یہ موقف اختیار کرنے والا ایک ناصیہ (اثبات و وجود) سے تو صاحبِ بصیرت ہوگا مگر دوسرے ناصیہ (کیفیت و حدود) سے وہ بھی مطلق نابلد ہوگا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کے خود اپنے بتائے گئے اوصاف کا اثبات اور تحریف و تشبیہ اور توقف کی نفی دونوں چیزیں بیک وقت حاصل ہو جاتی ہیں اور یہی اللہ کا اپنی صفات کے ابراز و اظہار کے سلسلے میں انسانوں سے مطالبہ ہے تاکہ ہم ان ثابت صفات کی روشنی میں اللہ کی شراب معرفت کے جام پیتے رہیں اور ان صفات کے حقائق پر ایمان کامل رکھیں۔ ساتھ ہی تشبیہ کی تردید بھی کریں اور تحریف و تاویل کی ڈگر پر چل کر ان کی تعطیل بھی نہ کریں، استواء، سمع و بصر اور نزول وغیرہ صفات میں کوئی فرق و امتیاز نہیں اس لیے کہ ہر صفت کے سلسلہ میں نصوص موجود ہیں۔

اور اگر متکلمین اشاعرہ استواء کے اثبات پر ہم (اہل سنت) کو تشبیہ بالخلق کا طعنہ دیں تو ہم عرض کریں گے کہ سمع کی صفت ثابت مان کر آپ بھی اسی طعن کے مستحق قرار پائیں گے پھر اگر کہیں کہ ہم سمع کو عرض نہیں مانتے بلکہ اللہ کے شایانِ شان سمع ثابت مانتے ہیں جو مخلوق کی قوتِ سامعہ سے مختلف ہے تو ہم بھی جواب دیں گے کہ بھائی صاحب! ہم اللہ کے لیے استواء اور فوقیت کی صفت کے اثبات سے اللہ کا کسی محدود جگہ میں حصر نہیں کرتے جیسا کہ آپ کا خیال ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے شایانِ شان استواء اور فوقیت ثابت مانتے ہیں جس کی کیفیت کا علم ہمیں نہیں، اس طرح سے استواء، نزول، ید، وجہ، قدم اور ضحک و تعجب وغیرہ صفات کے ثبوت پر متکلمین ہمیں جس تشبیہ کا موردِ الزام ٹھہرائیں گے، ہم وہی الزام تشبیہ، حیات و سمع اور بصر و علم کے اثبات پر انہیں بھی دیں گے۔ تو جس طرح یہ لوگ اپنی ثابت کردہ صفات کو اعراض کے ضمن میں نہیں شمار کرتے۔ اسی طرح ہم (اہل سنت) بھی خدا کے لیے ثابت ہاتھ اور چہرہ وغیرہ کو اعضاء و جوارح نہیں مانتے اور نہ انہیں وہ صفات قرار دیتے ہیں جن کی حامل مخلوق ہو سکے، اور یہ کہاں کا انصاف ہے کہ یہ متکلمین استواء، نزول، وجہ اور ید وغیرہ کو صفاتِ مخلوق کی مانند سمجھ کر بزعم خویش تشبیہ سے بچاؤ کی خاطر تاویل و تحریف کی روش اپنا لیں جبکہ خود بعض دیگر صفاتِ خداوندی کو ثابت ٹھہرانے اور تحریف کی درانتی سے ان کے پرادے نہیں نکالتے ہیں۔ ہر وہ شخص جس میں انصاف پروری، عدل گستری کی خوبو پائی جاتی ہوگی وہ یقیناً ہماری معروضات ہی کا قائل ہوگا، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کی تمام صفات کو بلا تفریق و امتیاز ثابت ماننے کے سلسلے میں ہماری خیر خواہی قبول کرے گا اور کسی بھی صفت میں تشبیہ و تعطیل اور توقف کی راہ نہیں اپنائے گا جو کہ اللہ کا ہم انسانوں سے مطالبہ ہے۔ اس لیے کہ یہ صفات (جن کی متکلمین اشاعرہ تاویل کرتے ہیں) اور وہ جن کو ثابت مانتے ہیں) سب کے سب ایک ہی جگہ یعنی قرآن و حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ تو اگر ہم بعض صفاتِ خداوندی کو بلا تاویل ثابت مانیں اور بعض صفات پر تحریف و تاویل کی درانتی چلائیں تو یہ دو رخا رویہ اس شخص کی مانند ہوگا جو قرآنِ پاک کے بعض اجزاء پر تو ایمان رکھتا ہو مگر بعض اجزاء کا کفر کرتا ہو۔ اتنی بحث ان شاء اللہ کافی شافی ہوگی۔

امام جوینی کی مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ آیات استواء کی تفسیر میں متکلمین اسلاف کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں مذکور استواء الٰہی کو غلطی سے یہ لوگ وہ استواء سمجھ رہے ہیں جو مخلوق ہی کی صفت بن سکتا ہو اور جو یقیناً تشبیہ ہوگا۔ اس لیے یہ حضرات اس کی استیلاء اور غلبہ سے تاویل کر کے استواء ہی کا انکار کر بیٹھے۔

اور مقامِ تعجب تو یہ ہے کہ تاویل کے ذریعہ جس چیز (تشبیہ) سے جان بچانا پیشِ نظر تھا، اس سے بھی زیادہ خطرناک خرابی میں پڑ گئے جس کی تعیین مندرجہ ذیل امور سے کی جاسکتی ہے۔

تاویل کے سنگین نتائج :

۱۔ تعطیل۔ یعنی اللہ کا اپنی مخلوق سے اُوپر ہونے کا جو وصف ہے اس کا انکار۔

۲۔ اللہ کی ایک مخلوق (عرش) کو اس کا شریک گردانا اس طرح سے کہ وُہ امرِ الٰہی میں اللہ کا مقابل ہو، کیوں کہ استیلاء اور غلبہ لغت میں دو چیزوں کے درمیان مقابلہ کے بعد ہی ہوسکتا ہے جیسا کہ عربی زبان کے مشہور امام ابن الاعرابی کی سوانح حیات کے ضمن میں مذکور ہے کہ :

> "ایک آدمی نے ابن الاعرابی کے سامنے استواء کی تفسیر استیلاء سے کی تو امام موصوف نے کہا، چُپ رہو، پھر فرمایا کہ عربوں کے یہاں " استولی علی الشیٔ" (فلاں چیز پر غالب آگیا) جب تک کوئی مدِ مقابل نہ ہو مستعمل ہی نہیں ہے، ہاں اگر مدِ مقابل ہو اور ان دونوں مقابل میں کوئی ایک غلبہ پالے تو ایسی صورت میں کہا جائے گا " استولی" یعنی غالب آگیا یا غلبہ پا گیا لیکن اللہ کا تو کوئی مدِ مقابل نہیں ہے"۔

ابن الاعرابی سے منقول یہ واقعہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے، جیسا کہ اس کتاب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیق نمبر۲۱ میں مذکور ہے۔ اسی طرح علامہ لغطو یہ کوئی لے بھی "الرد علی الجھمیہ" میں یہی لغوی دلیل دی ہے۔

ارباب تاویل اہل کلام سے ہم باادب گذارش کریں گے کہ بھلا بتلا ئیے اللہ کے مدمقابل کون سی چیز تھی جس پر اللہ نے مقابلہ کے بعد غلبہ واقتدار حاصل کیا ہے؟

ہمارے خیال سے یہ ایسا الزامی جواب ہے جس کے بعد بجز اس کے کوئی چارہ ہی نہیں کہ یہ حضرات اپنی تاویلات وتحریفات سے باز آکر اسلاف کرام کی بیان کردہ تفسیر کی جانب رجوع کرلیں۔ بعض متکلمین کو جب اس پیچیدگی کا علم ہوا تو ایک دوسرا ہی گندا حیلہ تراش لیا، وہ یہ کہ استواء سے مراد جو استیلاء اور غلبہ ان کے پیش نظر ہے وہ مقابلہ اور مغالبہ کے مفہوم سے عاری ہے۔[1]

مگر یہ تو عربی زبان کی مخالفت کے علاوہ تاویل کی بھی تاویل ہو گئی، حیرت ہے کہ آخر کیوں انہیں یہ سب پاپڑ بیلنے پڑ رہے ہیں، کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ استواء کی تفسیر "تشبیہ سے خالی استعلاء" سے کر دیتے، "تشبیہ سے خالی" کی ضرورت تو اس وقت تھی جب استعلاء بھی تشبیہ وتمثیل کے مفہوم کو مستلزم ہوتا، چہ جائیکہ مستلزم نہیں ہے، کیونکہ لغت کے علاوہ خود قرآن میں استواء کی نسبت اللہ رب العالمین کی جانب کی گئی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس طرح کی بعض قرآنی آیات کا تذکرہ آچکا ہے۔ اسی طرح قرآن میں غیر اللہ کی طرف بھی استواء کی نسبت موجود ہے، مثلاً کشتیٔ نوح کی بابت ارشادِ خداوندی ہے "استوت علی الجودی" یعنی کشتی جودی پر ٹھہر گئی اسی طرح نباتات کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے "استوی علی سوقہ" یعنی اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا۔ اور معلوم ہونا چاہیے کہ کشتی کا استواء نباتات کے استواء سے دگرگوں ہے۔ اسی طرح چوپایوں کی پشت پر انسان کا استواء، پرندے کا انسان کے سر اور سطح ارضی پر استواء وغیرہ۔ یہ سارے کے سارے، استواء ہی کے قبیل سے ہیں، مگر ہر چیز کے استواء کا مفہوم اس کی حیثیت کے اعتبار سے ہو گا، یعنی لفظ استواء تو ہر جگہ ایک ہی ہوتا ہے مگر فاعل کے اختلاف سے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہوتا رہے گا، اس لیے اللہ کے لیے مخصوص استواء کا مفہوم وہ استعلاء اور بلندی ہو گا جو اس کی شایانِ شان ہے کیونکہ اس کا مثیل ونظیر کوئی نہیں ہے۔

رہا استیلاء اور غلبہ تو اللہ کی ذات پر اطلاق متکلمین کے علاوہ کسی سے ثابت نہیں۔ دیکھا

---

[1] محمد زاہد کوثری نے "الاسماء والصفات للبیہقی" کے صفحہ ۴۰۶ میں ابن المعلم سے یہ حیلہ نقل کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمِ کلام نے خود متکلمین کے ساتھ کیسا گھناؤنا برتاؤ کیا ہے ذاتِ خداوندی کو مخلوق کے اوصاف و خصائص سے متصف کرنے کو اُن کی نظر میں ایک بہتر کام کی شکل دے دی، جس کی وجہ سے متکلمین اس پر آمادہ نہ ہو سکے کہ خدا کو ایسے استعلاء اور بلندی میں ہونے سے موصوف کر دیں جس بلندی میں اس کا ہمسر کوئی نہ ہو، ساتھ ہی اسے علماء سلف کی حمایت بھی حاصل ہو۔ پھر کچھ جائے تعجب نہیں اگر یہی متکلمین علمِ کلام کی مذمت پر اتر آئیں۔ ہم عنقریب انہی کی کتابوں سے علمِ کلام کی مذمت میں چند ایسے اقتباسات پیش کریں گے جن کی تائید خلف نے بھی کی ہے۔

سبکی نے "السیف الصیقل" کے مقدمہ میں لکھا ہے:

"عقائد کے لیے دو چیزیں سب سے زیادہ مضر ثابت ہوئی ہیں۔ علمِ کلام اور یونانی حکمت و فلسفہ، ...... اور تینوں گروہ کے علمِ کلام میں خطرات اور نقصانات ہیں یا تو اس کے بعض حصے غلط ہیں، پھر اس میں کوئی رعب و ہیبت نہیں، اور سب سے محفوظ اور صحیح و سالم وُہ مسلک ہے جس پر صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؒ اور فطرتِ سلیمہ پر باقی رہنے والے عوام چلتے رہے۔" (ص ۱۲)

تاویل نے جس قدر اربابِ تاویل کو نقصان پہنچایا ہے اور جتنا انہیں شریعت سے برگشتہ کیا ہے، میری نگاہ میں اس کی کوئی حد و انتہا نہیں، اگر تاویل نہ ہوتی تو وحدت الوجود کا فاسد نظریہ رکھنے والے آج ہوتے اور نہ ماضی میں ان کے ہم مشرب باطنیہ اور قرامطہ ہی کا ناپاک وجود عمل میں آتا جنھوں نے شریعت میں پائی جانے والی جنت و جہنم، نماز روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ حقیقتوں کا یکسر انکار کر دیا اور ان تمام شرعی حقائق پر بھی تاویل کی آری چلانے سے گریز نہ کیا۔

علامہ مرتضیٰ یمانی "ایثار الحق علی الخلق" کے صفحہ نمبر ۱۳۵ میں تاویل کی قباحت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"معتزلہ اور اشاعرہ اگر اسماء حسنیٰ اور جنت و دوزخ کے انکار کی بنیاد پر فرقہ باطنیہ کی تکفیر کا فتوٰے صادر فرمائیں گے تو باطنیہ ایسے مفتیانِ تکفیر سے کہیں گے کہ ہم اسماء حسنیٰ وغیرہ کے منکر نہیں ہیں، بلکہ ہم ان سب چیزوں کو مجاز پر محمول کرتے ہیں۔ جس طرح آپ حضرات، رحمٰن و رحیم و حکیم وغیرہ کے منکر نہیں ہیں۔ مگر انہیں مجاز پر محمول کرتے ہیں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ رحمٰن ورحیم پر ایمان لانے کے لیے مجاز آپ لوگوں کے حق میں کافی شافی ثابت ہو جو کہ مشہور ترین اسماء صفات میں سے ہیں مگر ہمارے لیے تمام اسماءِ حسنیٰ اور جنت و جہنم پر ایمان لانے کے معاملہ میں مجاز کافی نہ ہو، جبکہ جنت و دوزخ مخلوقات کے ضمن سے ہیں اور ان کا درجہ اسماء حسنیٰ سے کہیں زیادہ فروتر ہے اور اللہ نیز اس کے اسماء حسنیٰ پر ایمان لانے اور اس کی مخلوقات (جیسے جنت و دوزخ) پر ایمان لانے میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اس لیے جب آپ لوگوں کے لیے مشہور ترین اسماء حسنیٰ (رحمٰن ورحیم) پر مجازی ایمان کافی ہے تو پھر ہمیں جنت و جہنم اور آخرت وغیرہ پر ایمان مجازی کیوں نہ کافی ہوگا؟

یہی حال عصر حاضر کی پیداوار قادیانی جماعت کا ہے جنھوں نے تاویل کے راستے سے بہت سے ایسے شرعی حقائق کا انکار کر دیا جن کے ثبوت پر پوری امتِ اسلامیہ کا اجماع ہے، مثلاً قادیانی لوگ اپنے خود ساختہ نبی مرزا غلام احمد قادیانی اور اس سے پہلے ابن عربی کی پیروی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلۂ نبوت باقی ہے۔ اس سلسلے میں "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" یعنی آپ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں) میں "خاتم" کی تاویل زینت سے کرتے ہیں، اب ایسی صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ آپ تمام انبیاء کے لیے سامانِ زینت ہیں۔ آپ آخری نبی نہیں ہیں، اسی طرح حدیثِ رسول "لانبی بعدی" "یعنی میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"، کی تاویل "نبی معی" یعنی میرے دور میں کوئی نبی نہ ہوگا، سے کرتے ہیں، ذخیرۂ احادیث کے علاوہ خود قرآنِ پاک میں جنوں سے متعلق متعدد بیانات نیز کتاب و سنت میں ان کے مختلف اوصاف پائے جانے کے باوجود ان قادیانیوں نے جنوں کے وجود کا انکار کر دیا اور جنوں کے سلسلے میں پائی جانے والی نصوص کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جنوں سے بنی نوعِ انسان ہی کا ایک طبقہ مراد ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے گمراہ خیالات ہیں اور اسی طرح کے تمام نظریات و خیالات تاویل ہی کا کرشمہ ہیں۔ جس کا استعمال استواء وغیرہ صفاتِ خداوندی کے انکار کی غرض سے خلف نے کیا ہے۔

خود عاشقانِ تاویل کے حق میں تاویل کی ضرر رسانی کی سب سے زوردار دلیل اور واضح ثبوت ان کا وہ معروف و مستند مقولہ ہے جو صفات کے سلسلے میں بحث و گفتگو کے وقت بسا اوقات اُن کی زبانوں سے بے خوف و خطر نکلتا رہتا ہے۔ یعنی:

"مَذْهَبُ السَّلَفِ أَسْلَمُ وَمَذْهَبُ الْخَلَفِ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ"

"یعنی سلف کا مسلک زیادہ صحیح سالم ہے مگر خلف کا مذہب زیادہ پائیدار اور علم و معرفت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر مبنی ہے۔ آج کی نئی نسل جس کی دینی و مذہبی ثقافت و علم کلام کی ہوا بھی نہ لگی ہو۔ شاید یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہو کہ خلف میں کوئی اس طرح کی بات بھی کہہ سکتا ہے — اور ہماری نئی نسل کا اس مقولہ اور نظریہ کی سنگینی نیز شناعت کے پیش نظر باور نہ کرنا حق بجانب بھی ہے۔ مگر صد افسوس کہ طلبۂ دین کی نظر میں اسے ایک معروف حقیقت کی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں ہم اس طرح کا گندہ خیال رکھنے والوں میں سے ایک صاحب کو بطور مثال پیش کر رہے ہیں۔

باجوری نے "الجوہرۃ" کے مؤلف کے مندرجہ ذیل شعر سے

وَكُلُّ نَصٍّ أَوْهَمَ التَّشْبِيهَا ۔۔۔ أَوِّلْهُ أَوْ فَوِّضْ وَرُمْ تَنْزِيهًا

"ہر وہ نص جس سے تشبیہ کا وہم پیدا ہو اس کی تاویل کر دو یا تفویض اور تنزیہ کا مقصد پیش نظر رکھو"

کے ضمن میں اپنی تعلیق کے ص ۵۵ میں لکھا ہے۔

"خلف کے مسلک میں علم و حکمت کا حصہ زیادہ ہے۔ کیونکہ اس میں وضاحت ہونے کے ساتھ ساتھ مخالف گروہ کی تردید بھی ہے اور یہی مسلک زیادہ راجح ہے، رہا سلف کا مسلک تو اس میں سلامتی کا پہلو غالب ہے۔ کیوں کہ اس میں کسی مفہوم کی تعیین سے گریز کیا گیا ہے، اس لیے کہ ممکن ہے وہ مفہوم اللہ کی مراد کے خلاف پڑ جائے۔"

محدثین دشمنی میں معروف و مشہور جناب کوثری صاحب کی ساری طول کلامی خلف کے مسلک کی ترجیح کے اردگرد گھومتی ہے۔

"السیف الصیقل" کی تعلیق کے صفحہ ۱۳۲ میں کوثری صاحب نے باقاعدہ مذہب خلف کے راجح ہونے کی تصریح کی ہے۔

حالانکہ اگر آدمی اس نظریہ پر تھوڑا سا غور کرے تو محسوس کرے گا کہ یہ نظریہ انتہائی جہالت آمیز اور گمراہی پر مبنی ہے، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور رسالہ "العقیدۃ المحمدیۃ" میں لکھا ہے:

"آخر کیسے یہ متاخرین، بالخصوص جبکہ خلف سے متکلمین کا طبقہ مراد ہے جن کے یہاں دین کے معاملہ میں اضطراب اور طرح طرح کا الجھاؤ پایا جاتا ہے اور جو معرفت خداوندی سے بالکل کورے ہیں، ان لوگوں کی جرأت و اقدام سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقف کار نے اُن کی عقلی موشگافیوں کا انجام یُوں بتلایا ہے:

لَعَمۡرِیۡ لَقَدۡ طُفۡتُ الۡمَعَاهِدَ کُلَّهَا ۔ وَسَیَّرۡتُ طَرۡفِیۡ بَیۡنَ تِلۡكَ الۡمَعَالِمِ

ترجمہ: میرے دین کی قسم! میں نے تمام عقلی مکاتب فکر کا جائزہ لیا اور ان کے ہر علوم میں نگاہ دوڑائی

فَلَمۡ اَرَ اِلَّا وَاضِعًا کَفَّ حَائِرٍ ۔ عَلٰی ذَقَنٍ اَوۡ قَارِعًا سِنَّ نَادِمِ

ترجمہ: لیکن مجھے صرف ٹھوڑی پر کفِ افسوس رکھے ہوئے یا دندانِ ندامت بجاتے ہوئے لوگ نظر آئے۔

اِن پرستارانِ عقل و خرد نے خود اپنی مندرجہ بالا نفسیاتی کیفیات کا بشکل تمثیل یا اپنی مصنفہ کتابوں میں تحریر کر کے اعتراف کیا ہے۔

مثلاً بعض اکابر اہلِ کلام کا قول ہے:

۵ نِهَايَةُ اِقۡدَامِ الۡعُقُوۡلِ عِقَالُ ۔ وَاَكۡثَرُ سَعۡيِ الۡعَالَمِيۡنَ ضَلَالُ

ترجمہ: عقلی گھوڑا دوڑانے کا نتیجہ بندش ہے اور دُنیا والوں کی اکثر جدوجہد رائیگاں اور بیکار ہے۔

وَاَرۡوَاحُنَا فِیۡ وَحۡشَةٍ مِّنۡ جُسُوۡمِنَا ۔ وَحَاصِلُ دُنۡيَانَا اَذًى وَّوَبَالُ

ہماری روحیں ہمارے جسم سے وحشت محسوس کرتی ہیں، ہماری دُنیا کا کل سرمایہ تکلیف و مصیبت ہے۔

وَلَمۡ نَسۡتَفِدۡ مِنۡ بَحۡثِنَا طُوۡلَ عُمۡرِنَا ۔ سِوٰی اَنۡ جَمَعۡنَا فِيۡهِ قِيۡلَ وَقَالُ

زندگی بھر کی بحث کا فائدہ اس کے سوا کچھ نہیں ملا کہ بہت سی قیل وقال اکٹھا ہو گئی ہیں۔

متکلمین میں ایک صاحب کا قول ہے:

"جانکنی کے عالم میں متکلمین سب سے زیادہ تکلیف میں ہوتے ہیں"

پھر اگر معاملہ کی حقیقت کی تہ تک رسائی حاصل کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے سلسلے میں واقعی علم اور حقیقی معرفت کی کوئی چیز بھی ان متکلمین کے یہاں ملے گی اور نہ کسی مشاہدہ یا اثر تک اُن کی رسائی کا سراغ لگے گا۔ ایسی صورت میں کیسے یہ کم عقل، معرفتِ خداوندی سے محروم کمزور و پریشان حضرات، اللہ اور اس کی آیات کا علم رکھنے میں سابقین اولین یعنی مہاجرین و انصار سے آگے نکل جائیں گے، جن کی مخلصانہ پیروی انبیاء و رسل کے ورثاء، خلفاء، بڑے بڑے رہنماؤں اور تاریکیوں میں چراغ کا کام دینے والوں نے کی، جن کے ہاتھوں قرآن کی تنفیذ ہوئی اور جو قرآن کی وجہ سے ابھرے اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت کا اتنا وافر حصہ عطا کیا تھا کہ تمام انبیاءؑ کے اتباع پر چھا گئے، اور معارف و حقائق میں جنھیں اس قدر درک حاصل تھا کہ اگر اس کے مقابل میں دوسروں کے علوم و معارف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کیے جائیں تو موازنہ کرنے والا بھی شرما جائے۔

پھر امتِ محمدیہ کا سب سے عمدہ اور بہترین دَور علم و حکمت کے میدان میں، بالخصوص اللہ اور اس کے اسماء و صفات اور آیات کے احکام وغیرہ کے علم میں اُن اصاغر کے مقابلے میں کیوں پیچھے رہے گا، یا بالفاظِ دیگر فلاسفہ اور ہندی و یونانی حکمت و منطق کے علماء کی زلہ ربائی کرنے والے معرفتِ خداوندی میں، انبیاء کے حقیقی ورثاء اور قرآن پر صحیح معنیٰ میں ایمان رکھنے والوں سے کیوں کر پیش پیش ہو سکتے ہیں؟

علامہ اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ "شرح العقیدہ" میں رقم طراز ہیں:

"یہ ناممکن ہے کہ خلف کا علم سلف سے زیادہ ہو، جیسا کہ بعض حقیقت ناآشنا، سلف کے ناقدر داں، اللہ و رسولؐ اور مومنوں کی معرفت سے بے بہرہ لوگوں کا خیال ہے کہ (سلف کے مسلک میں سلامتی و حفاظت زیادہ ہے، اور خلف کے مسلک میں علم و حکمت زیادہ ہے) یہ لوگ دراصل ایسا اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق سلف کا مسلک یہ ہے کہ جاہلوں کی مانند قرآن و حدیث کے الفاظ پر ان کے معانی و مفاہیم سمجھے بغیر محض ایمان لے آیا جائے اور خلف کا مسلک یہ ہے کہ نصوص کو حقیقی معنیٰ سے ہٹا کر مختلف مجازات اور نادر لغات کے تعاون سے اُن کے مفاہیم و مطالب کا استخراج و استنباط کیا جائے۔

یہ بات مذکورہ بالا اسی گندے خیال کا لازمی نتیجہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ اسلام کو پس پشت ڈال دیا جائے، حالانکہ ان لوگوں نے سلف کا مسلک بتانے میں زبردست غلط بیانی اور تہمت طرازی سے کام لیا ہے اور خلف کے مسلک کی تصحیح و تصویب کر کے کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلاء ہو گئے ہیں اس طرح گویا یہ لوگ دو خرابی کے شکار ہوئے، نمبر ایک مسلکِ سلف بتانے میں دروغ گوئی سے کام لے کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا۔ نمبر دوم، مسلکِ خلف کی تصویب کر کے نادانی اور گمراہی میں مبتلاء ہوئے۔"

بعد ازاں علامہ اسفرائینیؒ نے "فضل علم السلف علی علم الخلف" سے ابنِ رجب کا قول بطور استشہاد نقل کیا ہے۔

؎ شرح العقیدۃ ج ۱ ص ۲۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلف جس ظنِ فاسد کے شکار تھے، اس دور میں بھی مذہبِ خلف کو ترجیح دینے والے بعض حضرات اس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ اقوالِ سلف سے نابلد بعض مسلمان اہلِ قلم بھی اسی وہم میں مبتلا ہیں۔ اور سلف کے مسلک کو تفویض کا نام دیتے ہیں "السیف الصیقل" کی تعلیق ص۱۳۲ میں لکھتے ہیں:

"قرآن و احادیث میں وارد شدہ صفاتِ الٰہی کا تنزیہ کے ساتھ معانی سے تعرض اور مراد کی تعیین کیے بغیر زبان سے یوں ہی اعتراف کر لینا سلف کا مسلک ہے۔"

موصوف نے "السیف الصیقل" کے دوسرے مقامات (ص ۱۳۱، ۱۴۰) پر بھی اسی انداز کی چیز لکھی ہے۔

حافظ بیہقیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "الاسماء والصفات" کے نصوص کی تحریف میں کوثری کے معاون اور رفیقِ کار بھی اس معاملہ میں کوثری کے پیروکار ہیں۔ کوثری نے اگر اپنی تعلیقات میں یہ کارستانی دکھائی ہے تو ان کے رفیقِ کار شیخ سلامۃ القضاعی صاحب نے "فرقان القرآن بین صفات الخالق وصفات الاکوان" نامی کتاب کے مقدمہ میں یہی کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کتاب میں مختلف مقامات پر موصوف نے یہی کام کیا ہے، انہوں نے صفحہ ۹۴ میں لکھا ہے:

"اللہ کے شایانِ شان مقصود معنی کے بیان سے گریز پائی اکثر سلف کا شیوہ ہے۔"

اس انداز کا خیال صفحہ ۱۸۵ میں بھی ظاہر فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سلف نے یہ طریقِ کار معرفتِ خداوندی سے محرومی کی بنیاد پر اختیار کیا یا انہیں اللہ کی معرفت و علم حاصل تھا مگر اس کا کتمان اور اخفاء مقصود تھا؟ اس سوال کے جواب میں حضرت جو بھی کہیں گے بڑی سنگین، خطرناک اور تلخ بات ہوگی۔ سچ فرمایا ہے اللہ رب العالمین نے "ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ" یعنی ان کی علمی رسائی یہیں تک ہے۔

خلف کے تاویلانہ موقف کے خلاصہ میں ہم حافظ ابن قیمؒ کا وہ قول پیش کریں گے جو آپ نے اپنے بہترین قصیدہ بعنوان "الکافیۃ الشافیۃ فی الانتصار للفرقۃ الناجیۃ" میں فرمایا ہے، جو کہ "قصیدہ نونیۃ" سے مشہور ہے۔ اسی قصیدہ میں آپ کا یہ شعر ہے:

۵ هٰذَا، وَأَصْلُ بَلِيَّةِ الْإِسْلَامِ مِنْ   تَأْوِيلِ ذِي التَّحْرِيفِ وَالْبُطْلَانِ

یہ اور اسلام کی اصل بلاء باطل پرست اہلِ تحریف کی تاویل ہے۔

پھر حافظ موصوف نے اپنی اس نظم میں تاویل کے نقصانات کا بیان ایسے اچھے انداز میں کیا ہے کہ دوسری جگہ نثر میں بھی یکجا اتنی چیزیں نہیں مل سکیں گی۔ یہ قصیدہ احمد بن عیسیٰؒ کی شرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ پڑھنا چاہیے، اس کا نام "توضیح المقاصد و تصحیح القواعد بشرح قصیدة ابن القیم" ہے۔

تعجب تو کوثری وغیرہ پر ہے جو صفاتِ الٰہی میں "مسلک تفویض" سلف کی جانب منسوب کرتے ہوئے ڈرتے نہیں، اگر ان کے دل سلف کی تکریم و تقدیر کے نیک جذبات سے عاری ہیں جو انہیں شانِ اسلاف میں نازیبا باتیں کہنے سے باز رکھتے، تو کیا انہیں اسلاف سے علماء کی نقل کردہ وہ عبارتیں بھی دیکھنے کو نہ مل سکی تھیں جو صرف ایک ہی نقطہ (منکرین صفات معطلہ اور مشبہہ کے نقطہائے نظر کی تردید کے ساتھ صفاتِ الٰہی کا کما حقہ اثبات) کے ارد گرد گھومتی ہیں۔

(باقی آئندہ)

شعر و ادب

حمد باری تعالیٰ

جناب راسخ عرفانی

ڈوبتے دل کا تو ج میں سہارا تو ہے
مری سوچوں کے سمندر کا کنارا تو ہے

میں تو بیتاب ہوں گرداب میں قطرے کی طرح
راحتِ روح کی سمتوں کا اشارا تو ہے

تیرے الطافِ مسلسل سے ہوں زندہ یارب
میں ہوں بیمار مرے درد کا چارا تو ہے

کوئی بھی آنکھ نہیں جس نے کہ دیکھا ہو تجھے
پھر بھی حیرت ہے، کہ ہر آنکھ کا تارا تو ہے

دیدہ و دل کا مکاں تیری ضیا سے روشن
حسنِ احساس ہے تو جانِ نظارا تو ہے

تو جو چاہے تو سرابوں سے بھی چشمے پھوٹیں
ظلمتِ یاس میں امید کا تارا تو ہے

کوئی زردار ہو یا راسخ بے مایہ ہو،
سب پہ ہے تیرا کرم سب کا سہارا تو ہے

© rasailojaraid.com